ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.2(2023)
(July to September)

مکاتیبِ اقبال (عظیم علمی و تاریخی ورثہ کی اہمیت)

LETTERS OF IQBAL (IMPORTANCE OF GREAT SCIENTIFIC & HISTORICAL HERITAGE)

خوشنود احمد خان

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

ڈاکٹر اِرم صبا

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

Khushnood Ahmad Khan
Doctoral Candidate, Department of Iqbal Studies, Islamia University, Bahawapur
Dr. Irum Saba
Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, Islamia University, Bahawalpur

Abstract:
Just as Iqbal's poetry contains chant, thought and pleasure, in the same way his letters are also filled with wisdom and philosophy, humility and compassion, sincerity and devotion, heart and love. In these letters, samples of the best rate of Iqbal's poetry can be found. Such an essence of Iqbal's mental and intellectual harmony, personality, thinking and biography is found in these letters, not only all the colors of his life emerge from the sense, but also his ideas can be studied in these letters. Therefore, it would be correct to say that Iqbal's letters are the best source for evaluating his personality. So, the interest of Iqbal's letters is not in their pomp, colour, elegance and literature but in the importance and greatness of his ideas.

Key Words: Iqbal's poetry, philosophy, humility, intellectual, letters, elegance, greatness

کسی بھی شخصیت کو پرکھنے کے لیے اس کی لفظی و عملی زندگی کا مطالعہ بہت ضروری ہے جس سے اس کی سیرت اور فکر و فن کا علم ہوتا ہے۔ مختلف نظریات و خیالات اور افکار میں اتار چڑھاؤ کا دل و دماغ میں پیدا ہونا قدرتی عمل ہے۔ اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے خط ایک بہترین ذریعہ ہے۔ لہٰذا کسی بھی شخصیت کو جانچنے کے لیے اس کے خطوط نا صرف قابلِ بھروسہ بلکہ اہم دستاویزات بھی ہیں۔ بقول علامہ محمد اقبال:

> "شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اس کے کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجے کے شعرا کے خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے۔"(۱)

علامہ محمد اقبال کے خطوط کی طباعت و اشاعت ادبی لحاظ سے بہت فائدہ مند اور ذخیرہ اقبالیات میں روز بروز اضافے کا باعث ہے۔ اس لیے اقبال کی شخصیت، شاعری و فلسفہ اور فکر و فن کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ان کے خطوط کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ خطوطِ اقبال میں اخلاق، مذہب، شاعری، فلسفہ، نفسیات، تاریخ، فنون، حکمت، تہذیب و تمدن، تفکر، تصوف اور سیاست سبھی کو

یکساں مقام حاصل ہے۔ ان کے خطوط کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف زندگی کی حقیقت سے واقف تھے بلکہ اس کی قدر و منزلت کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ بقول محمد عبداللہ قریشی:

> "میرا خیال ہے کہ خود حضرتِ علامہ کہ ہمہ گیر شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے ان کے نجی اور ذاتی خطوط کے عظیم سرمائے کو سب سے اہم کلیدی حیثیت حاصل ہے۔"(۲)

علامہ محمد اقبال کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ان کے خطوط بہترین ذریعہ ہیں۔ ان کی شخصیت انتہائی علمی اور فکرِ راست رکھنے والے شخص کی مانند ہے۔ انھوں نے ہمیشہ راہِ حق کا انتخاب کیا۔ اپنے فکری پیغام کی ترسیل کے لیے انھوں نے خطوط کو ذریعہ بنایا۔ عربی ، فارسی، اردو اور انگریزی کے علاوہ جرمن زبان میں بھی اقبال نے خطوط تحریر کیے۔ اسی بنا پر ان کی حیثیت دیگر اہلِ ادب اور اہلِ علم لوگوں سے منفرد اور اعلیٰ نظر آتی ہے۔ ایک بے باک لہر اور اضطراب و نارسائی کا خوب صورت امتزاج ان کے خطوط میں پایا جاتا ہے۔ اقبال ایک ایسے بہادر اور مردِ آہن شخصیت کے حامل تھے جن کا شیوہ سچائی، پاسداری، راست بازی، سچی لگن، درست گفتاری اور دیانت داری تھا۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

> "اقبال کے خطوط میں استقلال، متوازن اور حقیقت افروز ہے۔ وہ الفاظ کی بھول بھلیوں میں الجھنے کی بجائے معنی کے گہرے جذباتی رشتے استوار کر لیتے ہیں۔"(۳)

فکرِ اقبال کی خوب صورت جھلک اقبال کے خطوط میں دکھائی دیتی ہے۔ اقبال کو شاعری کے باعث زیادہ شہرت و عزت ملی۔ شاعری کی وجہ سے ہی انھیں چوٹی کا فلاسفر، مفکر اور شاعر مانا جاتا ہے جبکہ نثری لحاظ سے دیکھا جائے تو اقبال کے نثری پہلوؤں پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ خاص طور پر ان کے خطوط انتہائی بے توجہی کا شکار ہوئے ہیں۔ ایک بڑا سبب اس بے توجہی کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطوطِ اقبال کا شمار ان کی باقاعدہ تصانیف میں نہیں ہوتا اور اسی بنا پر ان کی حیات میں کسی بھی مجموعہ مکاتیب اقبال کی اشاعت نہیں ہو سکی کیونکہ اقبال بھی مرزا غالب کی طرح اپنے خطوط شائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا کئی مکتوب الیہم کو انھوں نے اپنے خطوط محفوظ رکھنے سے منع کیا۔ اپنے ایک خط بنام خان نیاز الدین خان کو لکھتے ہیں:

> "عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں مگر اشاعت ان کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیت کے ساتھ لاپرواہ ہوں۔ امید ہے آپ میرے خطوط اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔"(۴)

اقبال نے جن شخصیات کو خطوط تحریر کیے ان کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ ان کے مکتوب الیہم میں قائداعظم محمد علی جناح، سر اکبر حیدری، سر راس مسعود، کشن پرشاد شاد، اکبر الٰہ آبادی، سید سلیمان ندوی، خواجہ حسن نظامی، محمد دین فوق، مولانا گرامی جیسے اشخاص بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سیاسی عمائدین، عزیز رشتہ دار، ان کے معاصرین، علما کرام، عام قاری اور مداحین، اخبار نویس، اہلِ خانقاہ اور شعرا بھی، غرض ہر قسم کے اشخاص ان کے مکتوب الیہم کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان خطوط کو مکمل طور پر سمجھنا بھی اس لیے ضروری ہے کہ ان تمام مکتوب الیہ کے احوال و ظروف کا مطالعہ کیا جا سکے۔

اقبال کے مکاتیب ان کے غیر ملکی جیسے یورپ، افغانستان، فلسطین، جنوبی ہند، دہلی، شملہ اور صوبہ بلوچستان کے دوروں اور سفروں کی جامع روداد کا منظر بھی پیش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان مکاتیب سے ان سفروں اور دوروں کے اوقات اور تاریخیں

با آسانی معلوم کی جاسکتی ہیں۔ جسمانی تکالیف اور بیماریوں خصوصی طور پر زندگی کے آخری دو سالوں میں اقبال کے عوارض کا آغاز ان میں اضافوں، عوارض کی بدلتی ہوئی مختلف کیفیتوں، معالج، علاج اور اس دوران کھانے والی ادویات اور ان سے صحت پر پڑنے والے اثرات کا مکمل اور خصوصی تذکرہ ان مکاتیب میں ملتا ہے۔

حیاتِ اقبال سراپا خلوص سے بھرپور تھی اور مکاتیبِ اقبال میں عملی اور لفظی طور پر اس کی گواہی ملتی ہے۔ اقبال نا صرف اپنے دوست احباب کے دکھ درد میں شریک ہوتے بلکہ ان کی مالی اعانت بھی کرنے میں کسر نہ چھوڑتے۔ جذبۂ مروّت سے کام لیتے اور دلی خوشی محسوس کرتے۔ عطیہ بیگم نے ایک مرتبہ اس بات کا برملا اظہار کیا کہ وہ عقیدت اور قدر و منزلت اقبال کو شمالی ہندوستان عوام میں حاصل نہیں جس کے لیے وہ حقدار ہیں۔ اس کے جواب میں عطیہ بیگم کو لکھے گئے ۷ اجولائی ۱۹۰۹ء کے خط میں تحریر کرتے ہیں:

> "اگر ریاکاری و منافقت ہی میرے لیے وجہ حصولِ احترام و عقیدت ہو سکتی ہے تو خدا کرے میں اس دنیا سے ایسا بے تعلق اور بیگانہ ہو جاؤں کہ میرے لیے ایک بھی آنکھ اشک بار اور ایک بھی زبان نوحہ خواں نہ ہو۔" (۵)

مکاتیبِ اقبال فراخ دلی، خلوص، حوصلہ بلندی، دل سوزی، علمی ثقالت، ادبی دل چسپی، شعر و سخن کا رنگ، ہمدردی، قبولِ تنقید و اصلاح بندی، قوم مسلم بالخصوص مسلمانانِ ہند کے مذہبی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی حالات پر تشویش کے اظہار سے بھرے نظر آتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر آج اقبال کو قوم مفکرِ پاکستان کے نام سے پہچانتی ہے اور ان کو اس اعجاز سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر وحید عشرت رقم طراز ہیں:

> "اقبال کے مکاتیب کا یہ سب سے بڑا اعجاز ہے کہ اس نے برصغیر کے مسلمانوں کے دو قومی نظریے کو ثقافتی اور تہذیبی تشخص عطا کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ چنانچہ مسلم قومیت یا نظریہ پاکستان کی تفہیم میں اقبال کے خطوط ایک بنیادی حوالہ ہیں جو برصغیر میں ہماری تہذیبی اور تمدنی تشکیل کے تدریجی ارتقا کا بھی آئینہ ہیں۔" (۶)

سانحہ سقوطِ دہلی جو انتہائی دل دہلا دینے والا واقعہ ہے صرف مرزا غالب اور میر تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ علامہ اقبال کو بھی اس کا بہت رنج تھا۔ قوم مسلم اپنا تشخص کھو بیٹھی تھی اور اپنی عظمتِ شکستہ کی بحالی کے لیے کوشاں تھی۔ اس ساری صورتِ حال سے اقبال اچھی طرح آگاہ تھے۔ اس سلسلہ میں اقبال نے دہلی کے حالات پر غالب کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے مولوی انشاالله خاں کو اپنے مکتوب مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء میں تحریر کیا:

> "آپ سے رخصت ہو کر اسلام شان و شوکت کے اس قبرستان میں پہونچا جس کو دہلی کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب موصوف ہم کو قبرستان کے ایک ویران سے گوشے میں لے گئے جہاں وہ گنج معانی مدفون ہے جس پر دہلی کی خاک ہمیشہ ناز کرے گی۔" (۷)

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہندوستان میں اپنی بقا کے لیے جنگ لڑی جارہی تھی۔ نا صرف ہندو اور مسلمان بلکہ دیگر قومیں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہندوستان میں تحاریک چلانے میں مصروفِ عمل تھیں۔ خاص طور پر سودیشی تحریک جس کے تحت

پورے ہندوستان میں برطانوی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ اخبار "زمانہ" کے ایڈیٹر منشی دیانرائن نگم نے سودیشی تحریک پر اٹھائے گئے اعتراضات کا عمدگی کے ساتھ دفاع کرتے ہوئے لکھا:

> "بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ امریکہ اور جرمن کی چیزیں خریدو مگر انگلستان کی چیزوں کو ہندوستان کے بازاروں سے خارج کر دو۔ مجھ کو تو اس کا اقتصادی فائدہ کچھ نظر نہیں آتا بلکہ اگر انسانی فطرت کے محرکات پر غور کرو تو اس میں سراسر نقصان ہے۔"(۸)

علامہ محمد اقبال سودیشی تحریک کو عملی طور پر کامیاب دیکھنا چاہتے تھے انھوں نے اس تحریک کو عملی شکل دینے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنی انفرادی رائے دیتے ہوئے کہا کہ ایسی کون سی اشیا ہیں جو اس وقت ریاست میں نا صرف تیار ہوتی ہیں بلکہ ان کی کیفیت اور کمیت کیا ہے؟ ایسی کون سی اشیا ہیں جو اس سے پہلے تو تیار ہوتی تھیں لیکن اب نہیں؟ ایسی کون کون سی اشیا ہیں جن کی زیادہ اچھی اور کم نرخوں پر تیاری کی جا سکتی ہے؟ وہ کون کون سے صوبے یا قدرتی علاقے ہیں جو خاص وجوہات کی بدولت ان مخصوص اشیا کے لیے عمدہ ہیں؟ برصغیر پاک و ہند کے معاشرے پر ایرانی علم و ثقافت نے گہرے سماجی، ادبی اور مذہبی اثرات چھوڑے ہیں اور بے شک ان اثرات کے مثبت رجحانات پائے جاتے ہیں جس کی بدولت مسلمان اسلامی تصوف کی بجائے عجمی تصوف کے زیادہ قریب ہو گئے۔ نتیجتاً مسلمان بے یقینی، بے عملی، بے اعتنائی، فراری، غربت، پستی، زوال پذیری اور تباہی کے راستے پر چل نکلے۔ علامہ محمد اقبال کو اس بات کا سخت رنج تھا اور اس کے مزید اثرات گہرے ہونے کے ڈر سے انھوں نے اسرارِ خودی کی شکل میں مسلمانانِ برصغیر کو خوابِ غفلت سے جگانے کی سعی کرتے ہوئے اپنا مبہم و غیر مبہم پیغام پہنچایا۔ اس کٹھن اور تکلیف دہ عمل سے گزرنے کے لیے انھیں بہت سی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ کفر و الحاد کے ان پر بے دردی سے تازیانے بھی برسائے گئے لیکن اس کے باوجود بھی انھوں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ جس بات کو انھوں نے حق سچ اور حقیقت مانا اسے کھول کر بیان کر دیا۔ ایسی سیاسی و معاشرتی رجحان میں تبدیلی لانے کی نیک تمنا کا ذکر ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو منشی سراج الدین کو اپنے تحریر کردہ مکتوب میں کرتے ہیں:

> "ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلعم کے منہ سے ہوئی۔ صوفی لوگوں نے اسے تصوف پر ایک جملہ سمجھا ہے۔"(۹)

آنریری سیکرٹری انجمن اسلامیہ گوہر علی خان نے مجوزہ عالمگیر اسلامی کانفرنس مصر میں شرکت اور اس کے انعقاد کے سلسلہ میں نامور مسلم رہنماؤں سے رابطہ کیا جن میں مولوی مشتاق حسین، خان بہادر، مولوی محمد عزیز، شبلی نعمانی اور نواب وقار الملک شامل تھے کہ اس کانفرنس میں مسلمانانِ ہند کو شرکت کرنی چاہیے یا نہیں، تو علامہ اقبال سمیت زیادہ تر مسلم رہنماؤں نے اس میں شرکت نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن بعض اکابرین نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے کا مشورہ دیا۔ علامہ اقبال نے نہ صرف اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد اور سیاق و سباق پر تقابلی جائزہ پیش کیا بلکہ اس کے انعقاد کے بارے میں بھی اپنی آرا کا کھُل کر اظہار کیا۔ ۲۲ اگست ۱۹۱۰ء کو گوہر علی خان کو خط میں لکھتے ہیں:

> "موجودہ حالات میں اسلامی دنیا پولیٹیکل انقلابات سے آزاد نہیں پھر کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ اس قسم کی کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا۔۔۔۔ جو مقصد اس قسم کی کانفرنس سے پورا ہو وہ مکہ معظمہ کی سالانہ کانفرنس سے ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے مسلمان اس سے فائدہ اٹھانا نہیں جانتے۔"(۱۰)

۱۹۰۵ء میں صوبہ بنگال کو دو حصوں مشرقی بنگال اور مغربی بنگال میں تقسیم کر دیا گیا۔ مشرقی بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے لہٰذا اس وجہ سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی لیکن ہندو اس تقسیم سے سخت ناخوش ہوئے اور اس کی تنسیخ کے لیے ایڑی چوٹی تک زور لگایا۔ منٹو مارلے اصلاحات ۱۹۰۹ء میں نافذ ہوئیں جس کے تحت صوبائی اور مرکزی مجلسِ قانون ساز اداروں کو وسعت دی گئی اور نہ صرف اراکین کی تعداد بڑھا دی گئی بلکہ جداگانہ انتخابات کے لیے مروجہ طریقہ کار کو بھی منظور کر لیا گیا۔ ہندوؤں کو اس میں کامیابی ملی اور ۱۹۱۱ء میں تنسیخ بنگال ہوئی۔ بنگال کی تقسیم اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کی تنسیخ بنیادی طور پر انگریزوں کی طرف سے ایک سیاسی چال چل گئی تھی جس کے دھوکے میں ہندو اور مسلم آپس میں متصادم ہوئے۔ یہ سارا کھیل سوچی سمجھی سازش کے تحت کھیلا گیا لیکن علامہ محمد اقبال نے اپنی دوراندیشی کے باعث اس فریب کا دامن چاک کر دیا۔ اس ضمن میں عطیہ فیضی کو تحریر کرتے ہیں:

> ”ہندوؤں نے بنگال کی دو حصوں (ہندو بنگال اور مسلم بنگال) میں تقسیم کو حکومت کی طرف سے بنگالی قومیت کے قلب پر ایک ضرب کاری سے تعبیر کیا ہے لیکن حکومت نے دہلی کو دارالسلطنت قرار دے کر اپنے فیصلے کی خود ہی پوری ہوشیاری سے تنسیخ کر دی ہے۔“(۱۱)

اقبال کی حیات تصوف کے بہت قریب تر رہی بلکہ قدرتی طور پر ایسے اوصاف ان کو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام میں ملے تھے۔ رہبانیت سے بھرپور تصوف کو گلے لگانا تو ان کے لیے بہت آسان تھا۔ انھوں نے تصوف کو کبھی بھی جھٹلایا نہیں بلکہ خالصتاً مذہبی و اسلامی اور اخلاقی اقدار سے مزین کیفیات و جذبات کو کسی ایک فرد یا معاشرہ دونوں کے لیے خیر و برکت کا سرچشمہ سمجھا۔ خان محمد نیاز الدین کو اپنے خط میں تصوف کی اہمیت بیان کرتے ہیں:

> ”تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے رکھتا ہے نہایت قابلِ قدر ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے سوز و گداز کی کیفت طاری ہوتی ہے۔“(۱۲)

علامہ محمد اقبال اور مہاراجہ کشن پرشاد کے درمیان خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ آغاز سے آخر تک اقبال کی شخصیت سادہ، پرکشش اور متوازن دکھائی دیتی ہے۔ مہاراجہ ایک ہندوستانی رئیس تھا جس کے متعلق اقبال سے محبت کرنے والے اس قدر حیران ہو جاتے ہیں کہ آخر اس ہندو میں کیا خوبیاں تھیں جو کہ اقبال جیسے شخص کا اس سے اتنا گہرا لگاؤ تھا اور خاص بات یہ کہ مہاراجہ سے تعلقات کے بارے میں اقبال نے کبھی کسی سے ذکر بھی نہ کیا۔ مہاراجہ کو اپنے لکھے گئے ۷ مارچ ۱۹۱۷ء کے خط میں کہتے ہیں:

> ”مجھے جو خلوص سرکار سے ہے اس کا راز معلوم کرنا مشکل نہیں۔ یہ راز مضمر ہے اس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے۔ انشا اللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب اپنا مخلص پائیں گے۔ اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے جو خدمت کا طالب نہیں اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے۔“(۱۳)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے علامہ محمد اقبال کو پروفیسری کی نوکری آفر ہوئی جس سے اقبال نے یکسر انکار کر دیا لیکن عطیہ فیضی ان دنوں اقبال کی بہت گرویدہ تھیں، کو اس بات کا جب پتہ چلا تو بہت حیران ہوئیں کیونکہ عطیہ فیضی کی دلی مراد تھی کہ اقبال کو علی گڑھ یونیورسٹی کی پروفیسری سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ اس قومی تعلیمی درس گاہ کو اقبال کی شخصیت سے بے شمار فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ عطیہ فیضی کو نہایت نیاز مندی اور ہمدردی کے انداز میں ۱۹ اپریل ۱۹۰۹ء کو اپنے تحریر کردہ مکتوب میں کہتے ہیں:

"ہاں میں نے علی گڑھ کے شعبۂ فلسفہ کی پروفیسری سے انکار کر دیا اور چند روز پیشتر لاہور گورنمنٹ کالج کے شعبہ تاریخ کی پروفیسری قبول کرنے سے بھی انکار کر چکا ہوں۔ میں کوئی ملازمت کرنا ہی نہیں چاہتا۔"(۱۴)

اقبال نے چاہے سیاسی میدان ہو یا عقیدت و محبت کے معاملات اکثر و بیشتر مشرق کا تقابل مغرب کے ساتھ کیا ہے۔ اپنے اعلیٰ ظرف کی بنا پر اقبال نے عزت و احترام اور محبت کے سب تعلقات کو دلی طور پر نبھانے کی کوشش کی ہے۔ حقیقی رشتوں میں وہ اپنے والدِ گرامی اور بھائی کو انتہائی قابلِ احترام نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایسے ہی تعلقات، مزاج اور رشتوں کو معاشرتی سطح پر استوار کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۳ اگست ۱۹۱۸ء کو لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کو لکھتے ہیں:

"واقعی آپ نے سچ فرمایا کہ ہزار کتب خانہ ایک طرف اور باپ کی نگاہِ شفقت ایک طرف۔ اسی واسطے تو جب کبھی موقع ملتا ہے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور پہاڑ پر جانے کی بجائے اُن کی گرمیِ صحبت سے مفید ہوتا ہوں۔"(۱۵)

علامہ محمد اقبال کو مسئلہ فلسطین سے خصوصی دل چسپی تھی۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے دنیائے اسلام مسائل سے بھری ہوئی ہے۔ ان تمام مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ فلسطین کا ہے۔ اقبال اس مسئلہ کو مسلمانوں کا خالص ترین مسئلہ قرار دیتے تھے۔ آپ نے اس مسئلہ کے حل کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ مس فار قوہر سن کے نام لکھے گئے خطوط اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ اقبال مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے کتنے بے چین تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ جو کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تھی، کو بھی مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اس ضمن میں اقبال کہتے ہیں:

"اگر اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو فلسطین ایک خالص اسلامی مسئلہ ہے جو تمام دنیائے اسلام پر شدت کے ساتھ اثر انداز ہو گا۔"(۱۶)

فلسطین کا مسئلہ مسلمانوں کا دیرینہ مسئلہ ہے۔ تمام مسلم امہ آج بھی اس مسئلہ سے پریشان ہے۔ اقبال نے مسئلہ فلسطین پر ایک کانفرنس بھی منعقد کرانے کی تجویز دی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح مسلمانوں کو اکٹھا ہونے کے لیے ایک پلیٹ فارم بھی مہیا ہو گا اور فلسطینی عربوں کو اعانت بھی ملے گی۔ مسئلۂ فلسطین کے حل کے لیے اقبال ہمیشہ بے چین رہتے تھے حتیٰ کہ خود اس مسئلہ کے حل کی خاطر جیل جانے کی پیش کش بھی کر دی۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح کو ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو لکھے گئے خط میں کہتے ہیں:

"ایسے معاملات کی خاطر جو اسلام اور ہندوستان دونوں پر اثر انداز ہوں جیل جانے میں بھی میرے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مشرق کے عین باب الداخلہ پر مغربی محاذ کی تعمیر دونوں کے لیے خطرہ کا موجب ہے۔"(۱۷)

علامہ محمد اقبال شانِ رسالت ﷺ سے بخوبی واقف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلم امہ پر زوال صرف اور صرف رسالت ﷺ کی تقلید سے دوری کی بنا پر ہے۔ دینِ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے جو بنی نوعِ انسان کی نہ صرف روحانی کامیابی و کامرانی کے راستوں کو متعین کرتا ہے بلکہ کمال اور باعزت نظامِ حیات کے اصول بھی واضح کرتا ہے۔

کلامِ اقبال کی طرح ان کے مکاتیب میں کثرت سے پیش گوئیاں پائی جاتی ہیں۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے درمیان باہمی دشمنی کی بنا پر دائرہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ بدامنی کا راج تھا۔ آئے روز پُرتشدد واقعات معمول بن چکے تھے۔

رنج و اَلم کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ آزادی جب آئی تو خون کی ہولی کھیلی گئی۔ آج بھی اس زمانے کی داستانیں سنیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں مولوی عبد الحق کو انجمن ترقی اردو کے سلسلہ میں اقبال لکھتے ہیں:

> ”مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے جو لڑائیاں لڑنی پڑیں گی ان کا میدان پنجاب ہو گا۔ پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی دِقتیں پیش آئیں گی کیونکہ اسلامی زمانے میں یہاں کے مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی مگر اس کا کیا علاج کہ آئندہ رزم گاہ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے۔“(۱۸)

علامہ محمد اقبال کی یہ پیش گوئی کس قدر جلدی اور درست ثابت ہوئی۔ دینِ اسلام کی دنیاوی اور دینی عظمت و شان کے اقبال خواہش مند تھے۔ آپ اسلامی دنیا کی شان و شوکت، تحاریک اور ترقیوں کی طے کردہ منازل کا بغور مطالعہ کیا کرتے تھے اور اسی مطالعہ کی بدولت ہی ان نتائج تک پہنچنے میں کامیاب ہوا کرتے تھے۔

آپ نے مسلمانوں کے لیے الگ اسلامی مملکت کی خواہش کا واشگاف الفاظ میں ۱۹۳۰ء میں خطبہ الٰہ آباد میں واضح طور پر اظہار کر دیا تھا جس کے لیے آپ نے مجوزہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے اس کے مختلف نام بھی تجویز کیے۔ اقبال کا یہ خیال تھا کہ اصولِ شریعت کے ساتھ سوشل ڈیموکریسی کو اپنا لیا جائے تو کچھ نیا نہیں ہو گا بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف لوٹنا ہو گا۔ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم محمد علی جناح کے نام خط میں ہندوستان کے مسائل کے درست حل کے لیے تجاویز دیتے ہوئے کہا:

> ”مسائل حاضرہ کا حل مسلمانوں کے لیے ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے لیکن جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ مسلم ہند کے ان مسائل کا حل اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب کہ ملک کی از سرِ نو تقسیم کی جائے اور ایک یا زائد مسلم ریاستیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وجود میں لائی جائیں۔“(۱۹)

علامہ محمد اقبال نے سارے برصغیر پاک و ہند میں اپنے مکاتیب کے ذریعے نئی امنگ، جوش اور ولولہ پیدا کر کے ایک مثبت اور مضبوط تحریک کے لیے پلیٹ فارم مہیا کیا اور سیاسی عمائدین سے لے کر عام پبلک تک خود اعتمادی اور طاقت مہیا کی جس کے باعث ہندوؤں اور انگریزوں کے مقابلے میں لڑائی کے لیے مسلمانانِ ہند میں مادی قوت اور اخلاقی جرأت پیدا ہو گئی جو بابائے قوم محمد علی جناح کی لیڈر شپ میں ہمارا جگمگاتا مستقبل ظہور میں لائی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

> ”یہ ان کی سیاسی بصیرت اور روشن ضمیری کا واضح ثبوت ہے کہ جو تجویز مسلمانوں کی طرف سے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرار داد لاہور کی صورت میں دس سال بعد منظرِ عام پر آئی، اسے انھوں نے ۱۹۳۰ء میں پیش کر دیا تھا اور جو اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آئی اس کا خاکہ ان کے ذہن میں سترہ سال پہلے موجود تھا۔“(۲۰)

مندرجہ بالا مباحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کے خطوط ہماری تاریخی دستاویزات کا بڑا اہم حصہ ہیں۔ شائقین اقبالیات کے لیے ان کا مطالعہ انتہائی دل چسپ اور اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ خطوط مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال نے جن اہم شخصیات کے نام لکھے ان کے درمیان یہ نا صرف گہرے تعلقات اور فکری ہم آہنگی کی نشان دہی کرتے ہیں بلکہ فکرِ پاکستان کی اساس کو صحیح سمت میں متعین بھی کرتے ہیں۔ خطوطِ اقبال میں جہاں وسیع علم و ثقافت اور سنجیدگی کی جھلک نظر آتی ہے وہاں اپنے عزیز رشتہ داروں سے خلوص و عقیدت، دوستوں سے بے تکلف محبت اور ہمدردی کا عنصر بھی ان خطوط میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اقبال کے خطوط

ان کی ذہنی استعداد ہم آہنگی اور فکر و سوچ کے علاوہ ان کے دل و دماغ میں ابھرنے والے سب احساسات اور جذبات کی ایک مکمل تصویر نظر آتی ہے۔ ان کے خطوط کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ تو کوئی پہلو مخفی رکھا ہے اور نہ ہی کوئی ابہام گوئی ان کے خطوط میں ملتی ہے۔ اقبال کے خطوط میں اپنی روز مرہ زندگی کے سوالات و جوابات، ماضی کی یادیں، حال کی کشمکش، مستقبل کی فکر، ذاتی مصروفیات و دلچسپیاں، پسند اور ناپسند، تفریحات و مشاغل کا ذکر ملتا ہے غرضیکہ ان کے تمام خطوط ان کے دورِ حیات کا مکمل احاطہ کرتے ہیں۔ اقبال کی شخصیت بطور مفکرِ پاکستان اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ انھوں نے اپنے خطوط کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں میں غلامی کی زنجیروں کو نا صرف توڑنے بلکہ مسلمانوں میں مذہبی، ثقافتی، سیاسی و معاشرتی اور ملی شعور اجاگر کرنے کے لیے بحیثیت مسلم لیڈر اپنا عملی کردار بھی ادا کیا۔ لہٰذا مکاتیبِ اقبال نا صرف ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں بلکہ عظیم ادبی، علمی اور تاریخی قومی ورثہ بھی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، علامہ، انوار اقبال، (مرتبہ)، بشیر احمد ڈار، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۷ء، ص۔ ۱۱

۲۔ محمد عبد اللہ قریشی، روحِ مکاتیبِ اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص۔ ۶۵

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، خطوط کے آئینے میں، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۷ء، ص۔ ۲۸

۴۔ محمد اقبال، علامہ، مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص۔ ۱۷

۵۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال نامہ (حصہ دوم)، (مرتبہ)، شیخ عطا اللہ، لاہور، شیخ محمد اشرف تاجر کتب، ۱۹۵۱ء، ص۔ ۱۲۴

۶۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، فکریاتِ اقبال، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص۔ ۲۵۱

۷۔ محمد اقبال، علامہ، خطوطِ اقبال، (مرتبہ) رفیع الدین ہاشمی، لاہور، مکتبہ خیابانِ ادب، ۱۹۷۶ء، ص۔ ۷۶۔۷۸

۸۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (جلد اول)، (مرتبہ)، سید مظفر حسین برنی، جہلم، بک کارنر، ۲۰۱۶ء، ص۔ ۱۲۱

۹۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال نامہ (حصہ اول)، (مرتبہ)، شیخ عطا اللہ، لاہور، شیخ محمد اشرف تاجر کتب، ۱۹۴۵ء، ص۔ ۲۴

۱۰۔ محمد اقبال، علامہ، نقوشِ اقبال، شمارہ ۲۱، لاہور، ادارۂ فروغِ اردو، ۱۹۷۷ء، ص۔ ۴۷۸۔۴۷۹

۱۱۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال نامہ (حصہ دوم)، ص۔ ۱۵۲

۱۲۔ محمد اقبال، علامہ، مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص۔ ۲۰

۱۳۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال بنام شاد، (مرتبہ)، محمد عبد اللہ قریشی، لاہور، بزمِ اقبال، ۱۹۸۶ء، ص۔ ۲۰۴

۱۴۔ محمد اقبال، علامہ، خطوطِ اقبال بنام عطیہ فیضی، (مترجم)، منظر عباس نقوی، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۴ء، ص۔ ۱۹

۱۵۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال نامہ (حصہ دوم)، ص۔ ۶۶

۱۶۔ محمد اقبال، علامہ، حرفِ اقبال، (مرتبہ)، لطیف احمد شیروانی، لاہور، المینار اکیڈمی، ۱۹۴۸ء، ص۔ ۲۱۹

۱۷۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال کے خطوط جناح کے نام، (مرتبہ)، عبد الرحمٰن سعید، حیدر آباد (دکن): سید عبد الرزاق تاجر کتب، س ن، ص۔ ۲۶

۱۸۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال نامہ، (حصہ دوم)، ص۔۹۷

۱۹۔ محمد اقبال، علامہ، اقبال اور قائداعظم، (مرتبہ)، پروفیسر احمد سعید، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۹ء، ص۔۵۷

۲۰۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص۔۱۷۸

References in Roman Script:

1. Muhammad Iqbal, Allama, Anwar—e-Iqbal, (Murtaba), Bashir Ahmad Dar, Lahore, Iqbal Akademi Pakistan, 1967, p. 11

2. Muhammad Abdullah Qureshi,Roh-e-Makatitb-e-Iqbal, Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 1977, p. 65

3. Anwarsaid, Dr., Khatoot Kay Ainay Mien, Lahore, Popular Academy, 2007, p.28

4. Muhammad Iqbal, Allama, Makatib-e-Iqbal Banam Khan Niazuddin Khan, Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 1986, p. 17

5. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal Namaa (Hisa II),) Sheikh Attaullah, Lahore, Sheikh Muhammad Ashraf Tajir Books, 1951, p. 124

6. Waheed Ishrat, Dr., Fikiryat-e-Iqbal, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2009, p. 251

7. Muhammad Iqbal, Allama, Letters of Iqbal (Rafiuddin Hashmi, Lahore, Khayaban-i Adab School, 1976, pp. 76-78)

8. Muhammad Iqbal, Allama, Kalyat-i Makatib-i-Iqbal (Volume I), (Serial), Syed Muzaffar Hussain Barni, Jhelum, Book Corner, 2016, p. 121

9. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal Nama (Part I), (Order), Sheikh Attaullah, Lahore, Sheikh Muhammad Ashraf Tajer Books, 1945, p. 24

10. Muhammad Iqbal, Allama, Naqosh-e-Iqbal, No. 21, Lahore, Idara Forough-e-Urdu,1977, pp. 478-479.

11. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal Nama (Hisa II), p. 152

12. Muhammad Iqbal, Allama, Makatib-e-Iqbal Ba nam Khan Muhammad Niazuddin, Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 1986, p.20

13. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal binam Shad, (Martaba), Muhammad Abdullah Qureshi, Lahore, Bazm-e-Iqbal, 1986, p. 204

14. Muhammad Iqbal, Allama, Letters of Iqbal by Atiya Faizi, (Murtajm), Manzhar Abbas Naqvi, Aligarh, Muslim University, 1974, p.19

15. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal Nama (Hisa II), p. 66

16. Muhammad Iqbal, Allama, Harf-e-Iqbal,) Latif Ahmad Sherwani, Lahore, Al-Minar Academy, 1948, p. 219

17. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal Kay Khatoot Jinnah Kay Naam, (Martaba), Abdul Rahman Saeed, Hyderabad (Deccan): Syed Abdul Razzaq Tagir Books, No. 26

18. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal Nama, (Hisa II), p.79

19. Muhammad Iqbal, Allama, Iqbal and Quaid-e-Azam, (Murtaba), Professor Ahmed Saeed, Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 1989, p. 75

20. Farman Fatehpuri, Dr. Iqbal Sab Kay Lyie, Lahore, Al-Waqar Publications, 2015, p. 178